صباحت عمران

پس مرگ

نہ کرتا۔

عصام جو ڈائری لکھا کرتا تھا' آج اس ڈائری کو اپنے سامنے کھول کر بیٹھے میں سوچ رہا ہوں کہ اس ڈائری میں اتنے صفحے خالی کیوں ہیں۔ ایسے اتنے سارے خالی صفحے چھوڑ کر وہ کیوں مرگیا۔ کیا اسے ڈائری میں اور کچھ نہیں لکھنا تھا۔ اس نے قلم کی سیاہی کو بھی کھوکھلا پایا تھا۔ یا وہ لفظوں سے بھی بدلہ لے رہا تھا۔ وہ ان سے

لوگ زندہ انسانوں کو مار دیتے ہیں اور پھر ان پر ماتم کرتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ موت اچانک آتی ہے' مجھے لگتا ہے کہ کچھ لوگوں کی موت رینگ رینگ کر آتی ہے۔ وہ ایک تن آور درخت کا بیج بن کر پہلے اندر جگہ بناتی ہے۔ جڑ نکلتی ہے' تنا پھوٹتا ہے' درخت بنتا ہے' پھر درخت کی ناسور چھاؤں روح کے چپے چپے پر سایہ فگن ہو کر اسے موت کی طرف کھینچنے لگتی ہے۔

"ہم لوگوں کو ختم کر دیتے ہیں اپنے رویوں سے' اپنے لفظوں سے اور پھر ان کا سوگ مناتے ہیں۔"

لوگ یہی کہتے ہیں کہ جو زندہ تھا' دیکھو اب وہ مرگیا۔ جبکہ انہیں یہ کہنا چاہیے کہ "وہ جو ایک عرصے سے اندر سے مر رہا تھا آج اس کی موت کا دائمی خاتمہ ہوگیا۔" جب وہ اندر سے مر رہا تھا دراصل تب ہی انہیں اپنا سوگ شروع کر دینا چاہیے تھا۔ لوگ اس انتظار میں کیوں تھے کہ وہ کفن میں لپیٹ دیا جائے اور

پھر ہی وہ ماتم شروع کریں۔ اس انتظار میں کہ وہ مر جائے اور وہ شور کریں کہ دیکھو وہ تو مر گیا۔۔۔ وہ کیسے مر گیا۔۔۔ کیوں کر مر گیا۔

کیا وہ نہیں جانتے وہ کب مرنا شروع ہوا۔ کیسے مرنا شروع ہوا' کیوں مرنا شروع ہوا۔

کیا وہ بیج جو سب نے مل کر اس کے اندر بو دیا تھا' اس کی روح میں دبا دیا تھا وہ پھوٹ کر موت نہ بنتا؟ وہ بیج جیسے حسد' انتقام' جلن' کم ظرفی' بے حسی' تکبر' خود غرضی' احساس برتری کا پانی دیتے رہے تھے وہ اپنی جڑیں نہ پھیلاتا۔ یہ زہریلا تن آور درخت اس کی روح میں شاخیں نہ پھیلاتا' دماغ کو مفلوج' دل کو ناکارہ

رنجیدہ تھا۔ اگر اس سے اپنی زندگی کے دن پورے نہیں ہو سکے تھے تو وہ اپنی ڈائری کے صفحات تو پورے لکھ دیتا۔ اس کی ذات پر جو چق ہمیشہ پڑی رہی' وہ چق وہ اس ڈائری میں ہی اٹھا دیتا۔

اس کی زندگی جو بڑھاپے تک نہیں جا سکی' کم سے کم یہ ڈائری ہی اپنے آخری صفحے تک چلی جائے۔ اسی لیے اس کے قلم سے اسی کی ڈائری کے ایک خالی صفحے پر میں نے لکھنا شروع کر دیا ہے۔ "عصام مر چکا ہے اور اب لوگوں کا سوگ بھی شروع ہو چکا ہے۔"

میں اس ڈائری میں وہ کون کون سی بات لکھوں کہ اس کے سب خالی صفحے پُر ہو جائیں۔ کیا وہ بات لکھ دوں جو بازار میں میرے ساتھ ساتھ چلتے اس نے ایک دن کہی تھی۔

"کل یہاں میں نے ایک کمزور سے بوڑھے کو دیکھا تھا۔ وہ ٹھنڈ سے کانپ رہا تھا۔ پھٹے پرانے سے کپڑے پہنے ہوئے تھے اس نے۔ جب میں اس کے قریب سے گزرا اور اس کی طرف غور سے دیکھا تو اس نے بھی میری طرف غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔ میں ڈر گیا۔ مجھے ایسا لگا کہ اس نے مجھ سے کہا۔ "میں ٹھنڈ سے کانپ رہا ہوں اور تو دنیا کی بے حسی سے' اپنی بے قدری سے کانپے گا۔"

بے اختیار میری ہنسی نکل گئی۔ کچھ ہی دیر میں وہ بھی ہنسنے لگا۔ شاید اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کچھ عجیب سی بات کہہ گیا ہے۔ لیکن اب جب یہ ڈائری اور اس کی زندگی میرے سامنے ہے تو مجھے یقین ہونے لگا ہے کہ اس بوڑھے کی آنکھوں کی تنبیہہ حقیقت تھی۔ عصام نے اس بوڑھے کی آنکھوں کو ٹھیک سے پڑھ لیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ آنکھوں کی تحریریں پڑھنے میں وہ کتنا ماہر تھا۔ اس کا بچپن' لوگوں کی آنکھوں میں جھانکتے جھانکتے بوڑھا ہو گیا تھا۔ جو باتیں اسے معلوم نہیں ہونی چاہیے تھیں' وہ بھی معلوم ہو گئی تھیں۔

اتنی سی عمر میں اس نے دوسروں کی نظروں میں ہتک اور احساس برتری کی تحریریں پڑھنی شروع کر دی تھیں' تحریریں گوشہ نشیں تھیں اور وہ ان گوشوں کا کھوجی تھا۔ مجھے اس وقت معلوم نہیں تھا کہ جو چیزیں اس نے پڑھنی شروع کر دی ہیں وہ اس کے علم میں نہیں' اس کی موت کے امکانات میں اضافہ کریں گی۔ جو چیزیں وہ جاننے' کھوجنے' سوچنے لگا ہے وہ اس کی زندگی کے دن کم کر دیں گی۔ ان دیکھی تحریریں پڑھنے والے بہت جلد مر جاتے ہیں۔

ہر چیز توازن چاہتی ہے تو ہی وہ قائم رہتی ہے۔ عصام متوازن نہیں تھا۔ متوازن ہوتا تو مصنف نہ ہوتا۔ اونچی پہاڑی پر روشن الاؤ کی طرح اس کی شخصیت کا پھیلاؤ اتنا وسیع اور بلند تھا کہ مجھ جیسے شخص کے لیے کوئی ایک پہلو جان لینا بھی بہت ہوتا۔ اس کی ذات کے اتنے رخ تھے کہ اگر میں اسے ان گنت آئینوں کے سامنے کھڑا کر دیتا تو ہر آئینہ ایک الگ صورت دکھاتا۔ اتنی جہتیں رکھنے والے انسان ہوتے ہی کتنے ہیں۔ بہت کم' مٹھی میں سما جانے والے موتیوں جتنے' کچھ قائد' کچھ شاعر' کچھ استاد' کچھ عالم' کچھ خبطی سائنس دان اور کچھ اس جیسے مصنف۔

☆ ☆ ☆

اس کی پہلی کہانی چھپ گئی تھی۔ ایڈیٹر نے تعریفی خط لکھ کر بھیجا تھا۔ خط کافی لمبا تھا لیکن اس کا لب لباب یہ تھا کہ۔

"اتنی حساس تحریر کم سے کم میری نظروں کے سامنے سے آج تک نہیں گزری۔ موضوع تو وہی پرانا ہے ایک بیوہ عورت اور اس کی دکھی، مشقت بھری زندگی۔ ہزاروں ایسی بیوائیں دیکھی ہیں لیکن وہ بیوہ نہیں دیکھی جو آپ نے اپنی کہانی میں دکھائی ہے یا تو آپ کا تخیل قابل تعریف ہے، ورنہ شاید آپ کا فکری مناظرہ، آپ نے لفظوں کے جس دیے میں اس بیوہ کے کردار کی جوت جلادی ہے وہ حیران کن ہے۔"

میں جانتا تھا کہ اس نے کس بیوہ کی کہانی لکھی ہے۔ وہ بیوہ ہمارے اسکول کے چپڑاسی کی بڑی بیٹی تھی۔ جو اسکول کی طرف سے ہی الاٹ اپنے باپ کے دو کمروں کے کوارٹر میں اپنے چار یتیم بچوں کے ساتھ رہتی تھی۔ آدھی چھٹی کے وقت کالے چنے اور کبھی کبھی نان نمکی لگایا کرتی تھی۔ اس بیوہ کو سارا اسکول جانتا تھا پھر سب نے وہ محسوس کیوں نہیں کیا تھا جو عصام نے کرلیا تھا۔ عصام نے کبھی اس سے نان نمکی لے کر نہیں کھائی تھی۔ وہ آدھی چھٹی کے وقت باجی جی سے کچھ دور جاکر کھڑا ہوجاتا اور اسے دیکھتا رہتا تھا۔ کبھی کبھی اس کے روتے ہوئے چھوٹے بچوں کو بہلانے لگتا تھا۔

گھر والے سب خوش تھے لیکن وہ خوش نہیں ہوسکا۔ دو دن چپ رہنے کے بعد اس نے بس اتنا کہا۔

"کسی کے دکھ پر میں نے اپنی خوشی لکھ دی۔ ٹھیک نہیں کیا شاید۔"

ٹھیک تو اس نے واقعی نہیں کیا تھا۔ کیا ضرورت تھی اتنا غیر معمولی حساس ہونے کی۔ اسے بھی ہم سب گھر والوں کی طرح نارمل ہونا چاہیے۔ باقی دنیا کی طرح بے حس۔ اس نے اپنے دل میں اتنے سوراخ کیوں کر لیے تھے جو شگاف بن کر اسے نگل گئے۔ جب دنیا بے حسی کے چراغ، بے نیازی کے طاقوں پر رکھ کر جلا رہی تھی تو وہ بھی یہی کرتا۔ دنیا بے پیندے کی تھی تو وہ بھی کیوں نا بے پیندے کا ہوگیا۔

اس کی کہانیاں چبھنے لگی تھیں۔ لفظوں کو اس نے جو نئے معنی دیے تھے وہ اس کی کہانیوں کو غیر معمولی بنا رہے تھے۔ اہرام بنے، زمین پر پہاڑ کی طرح ڈھونکے معاشرے میں دفن لاشوں کو وہ اکھیڑ اکھیڑ کر لانے لگا۔ اس کی سوچ بنجارا تھی، جو دنیا کا کونا کونا سونگھتی۔ اس کا تخیل زمین پر رینگتا، ہوا میں اڑتا۔ اس کی ذہانت سوال کھڑے کرتی، جواب ڈھونڈ کر لاتی۔ وہ جس بات کی کھوج میں نکلتا اس بات کا راز پا کر ہی لوٹتا۔

"کیسی عجیب کتاب ہے۔" اکثر میں کسی کتاب کے چند صفحے پڑھ کر اسے ایک طرف اچھال دیتا۔ وہ کتاب اور مجھے بیک وقت دیکھتا۔ کتاب اٹھاتا اور بس پہلی چند لائنیں پڑھ دیتا۔

"اندھیروں کی چاپ اس وقت بڑھ جاتی ہے، جب روشنیوں کی چال معذور ہونے لگے۔"

اس نے بلند آواز سے پڑھا اور میری طرف دیکھا۔

"جس کتاب کا آغاز اتنی بڑی سچائی سے ہو رہا ہے۔ اس کتاب کو تم عجیب کہہ رہے ہو۔"

جب وہ آہستہ آہستہ موت کی طرف بڑھ رہا تھا، اس وقت میں اندھیروں کی وہ چاپ سن رہا تھا، جو اس کی روشنیوں کو معدوم کر رہی تھیں۔ مجھے یاد آیا کہ جس کتاب کی پہلی سطر ایسی ہوسکتی ہے اس کتاب کا ختم شد کیا ہوگا۔ جس سمجھ داری سے اس نے ایسی باتیں سمجھنی شروع کردی ہیں اس کا۔ "ختم شد" بھی کیا ہوگا۔

☆ ☆ ☆

اس کی کتاب نے ادب کے حلقے میں شور برپا کردیا تھا۔ نقادوں نے اس کی کتاب کا کوئی ایسا جملہ نہیں چھوڑا تھا جسے وہ زیر بحث نہیں لائے تھے۔ تجزیوں اور تعریفوں کے ڈھیر لگ گئے تھے۔ ایک دن اس نے مجھے ایک خط دکھایا۔ وہ خط اسے ایک مصنف نے لکھا تھا۔ خط کا لب لباب تو تعریف تھا لیکن اس میں کچھ ایسے گہرے طنز چھپے تھے جنہیں صرف وہ ہی سمجھ سکتا تھا۔ اسے تنقید بری نہیں لگی تھی۔ وہ تو مصنف کے منافقانہ انداز پر ہنس دیا تھا۔ بھلا جو بچپن سے آنکھوں کی تحریریں پڑھ رہا تھا، وہ خط میں چھپے لفظوں کے مطلب کیسے نہیں پڑھ سکتا تھا؛ خط کی ایک لائن میں کیسے

بھول سکتا ہوں۔ جس میں یہ اشارہ دیا گیا تھا کہ اس نے اپنی کتاب کو دوسری کتابوں سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔

"جن کتابوں کے زیر اثر رہ کر یہ کتاب لکھی گئی ہے یقیناً" وہ کتابیں بھی اعلا پائے کی ہوں گی۔"

زیر اثر تو وہ اس تخیل کے رہا تھا جو اس نے آنکھ کھولتے ہی جھیلا تھا۔ اس کتاب کے لیے اس نے کتنے سال تکلیف میں کاٹے تھے' میں جانتا تھا۔ رات رات بھر چپ' خاموش بیٹھ کر اس نے صرف چند جملے لکھے تھے۔ دوستوں کی گپ شپ کے دوران بسوں میں بیٹھے' موٹر سائیکل چلاتے' ٹرین کی چھک چھک کے ساتھ اس نے اپنے تخیل کے ساتھ کٹھن سفر کاٹے تھے۔ جس طرف لوگ سفر کر رہے تھے۔ وہ تو اس کی الٹی سمت کا مسافر تھا۔ ہم سالوں اور مہینوں کی باتیں کرتے اور وہ صدیوں اور قرنوں کی باتیں کرتا۔ اس کی دی ہوئی دلیلیں دم بخود کر دیتیں۔ وہ کسی کو متحرک کرنے کے لیے نہیں لکھتا تھا۔ نہ ہی اس نے عوام الناس کا کلیہ نکال کر قلم اٹھایا تھا کہ آج کل اس موضوع کی بہت مانگ ہے' چلو اس پر لکھتے ہیں۔ آج کل اس موضوع کی کتاب دھڑا دھڑ بکتی ہے میں بھی اسی موضوع پر لکھوں۔

اس کی کتاب ایک بینگ ثابت ہوئی۔ اس وقت میں جانتا تھا کہ یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ وہ اچھی کتابیں پڑھنا چاہتے ہیں دراصل وہ یہ کہتے ہیں کہ "بس بھئی! ہماری کتاب کے ساتھ کسی اور کی کتاب اچھی نہ کہلائے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اچھے رائٹرز کے انتظار میں رہتے ہیں' ان کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ "ہمارے بعد کوئی رائٹر اچھا نہ آئے۔"

اس لیے کہ چل چلاؤ کتابوں میں اس نے "چشم بارہ" دے دیا تھا۔ تخیل جو کبھی انہیں چھو کر نہیں گزرا' وہ تخیل اسے چھو گیا' نابینا ؤں میں ایک بینا ہو کر اس نے دکھا دیا۔ انہیں لگتا تھا کہ جو کام وہ نہیں کر سکے' جو وہ نہیں سوچ سکے وہ کسی اور نے کیسے کر اور سوچ لیا؟

اس کا غیر معمولی پن اس کے لیے عذاب بن گیا۔ وہ اس کتاب کو ایک ایسی کھونٹی بنا دینا چاہتے تھے۔ جس پر وہ اپنی کامیابی کا تمغہ نہ ٹکا سکے۔ ایسی کتاب دوبارہ ہرگز نہ لکھ سکے۔ چل چلاؤ کتابوں میں یہ فاش غلطی دوبارہ کر ہی نہ سکے۔ اس کی کتاب کی مقبولیت کو کم کرنے کے لیے انہوں نے ڈھول پیٹنے شروع کر دیے۔

☆ ☆ ☆

ایک دن اسے ایک پروڈکشن ہاؤس میں بلایا گیا۔ اس کی لمبی لمبی میٹنگ ہونے لگیں۔ وہ اسکرپٹ لکھنے لگا۔ کچھ عرصے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اس نے اسکرپٹ پر کام روک دیا ہے۔

"ڈرامے کے نام پر جو عورت نامہ اسکرین پر چلتا ہے' وہ میں نہیں لکھ سکتا۔ وہ میری پوری کہانی بدل دینا چاہتے ہیں۔ میں نے ایڈیٹنگ کے لیے ہاں کہی تھی۔ کہانی کا حلیہ خراب کرنے کے لیے نہیں۔ وہ چاہتے ہیں میں بار بار لڑکی کو باپ یا بھائی کے ہاتھوں سے پٹواؤں۔ روز روز گھر میں لڑائیاں کراؤں۔ ہر قسط میں کسی نہ کسی عورت کا کردار روئے' چلائے۔ بس کہانی نہ لکھوں' سیدھی سیدھی ٹی آر پی لکھ دوں۔ وہ کہتے ہیں اسکرین پر کیا ہٹ ہوگا۔ ہم جانتے ہیں' تم ادبی لوگ' کتابیں لکھنے والے تم کیا جانو کہ اسکرین پر کیا چلتا ہے۔ کس سین پر دیکھنے والے روتے ہیں' کس قسط کی ٹی آر پی زیادہ آتی ہے۔ ڈراما بنانا آرٹ نہیں کیمسٹری ہے۔ اگر ڈراما بنانا ایسی ہی کیمسٹری ہے تو پھر یہ اس کیمسٹری کے لیے رائٹرز کو زحمت کیوں دیتے ہیں۔ یہ اپنے چینل اور پروڈکشن ہاؤسز میں کیوں نہیں ایسا خام مال پیدا کر لیتے جو انہیں مشین کی طرح ان کی مرضی کی ری ٹائی چیزیں نکال نکال کر دیتے رہیں۔ جو چینل ہیڈ میری کتاب پر فدا تھی' وہ اسی کتاب پر لکھا میرا اسکرپٹ بار بار میرے سامنے پٹخ پٹخ کر پھینک رہی تھی۔ یہ ایسی تذلیل کے لیے رائٹر کو کیوں بلاتے ہیں۔"

"تذلیل کے لیے رائٹر کو کیوں بلاتے ہیں۔" یہ بات تو میں بھی آج تک نہیں سمجھ سکا۔ جس کہانی کو

اس نے اتنے سالوں کی محنت سے لکھا تھا اسے وہ چند لاکھ کے عوض برباد نہیں کر سکتا تھا۔ سب لوگ اس کی کتاب پر ڈراما بنانے کے لیے بے چین تھے۔ لیکن کوئی بھی اس کی بات سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ کونٹینٹ ہیڈ اسے فون پر فون کرتے' جب بات آگے بڑھتی تو وہی ٹی آر پی' وہی کہانی کا برباد حلیہ' وہی اسکرین کی کیمسٹری جیسے معاملات سامنے آتے۔ وہ دلیلیں دیتا' سمجھاتا پھر خاموش ہو جاتا۔

"میں اس سسٹم میں سروائیو نہیں کر سکتا۔"

اس کی ڈائری کے اس صفحے پر بس یہی ایک جملہ لکھا ہے۔ اگلے صفحے پر مہینوں کے وقفے کے بعد لکھا ہے۔

"ادب عالیہ کے ساتھ توفیق عالیہ کا ہونا بہت ضروری ہے۔ کتابیں اور کہانیاں جتنی بلند پایہ کی ہوں' اس سے کہیں زیادہ بلند پایہ عوام الناس کو ہونا ہوگا۔ ورنہ نہ کتابیں زندہ رہیں گی' نہ انہیں لکھنے والے۔ میرا ذہن تخلیقات کی بھرمار سے بھرا ہوا ہے' میں انہیں باہر لانے کے لیے بے تاب ہوں لیکن لوگ انہیں اپنی ناقص عقل سے رد کر دیں گے۔ یہ خوف مجھے ست کر دیتا ہے۔ میں اپنی کہانیوں کو اپنے سامنے دم توڑتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ کوئی بھی غیرت مند مصنف اپنی کتاب پر جاہلوں کی نکتہ چینی نہیں سہ سکتا۔ یہ جاہل تخلیق کو "خطوائف" سمجھتے ہیں کہ گالی دے لی' دھتکار دیا' ورنہ نیکی کے پلڑے میں تول کر بدی کے پلڑے کی طرف اچھال دیا کہ لو یہ اسی قابل ہے' بدکردار غیر شرعی' ہونہہ۔

جن لوگوں نے سارے زندگی دو ڈھنگ کی کتابیں نہیں پڑھیں وہ مجھے کہتے ہیں کہ "یہ میں نے کیا لکھا ہے' یہ تو ٹھیک نہیں۔"

جو لوگ ایک جملہ لکھنا نہیں جانتے وہ میرے جملوں پر ریڈ پین سے لائن لگاتے ہیں کہ "یہ بے معنی کا جملہ اسکرین پر نہیں آئے گا۔"

جو لوگ فون پر فون کر کے مجھے چینل بلاتے ہیں وہ مجھے پاس بٹھا کر سمجھاتے ہیں کہ "آپ بھی پیسے کمائیں' جو جی میں آتا ہے ہمیں لکھ کر دے دیں' پھر ایڈیٹر جانے اور ڈائریکٹر۔ آپ کو اپنے پیسوں سے مطلب ہونا چاہیے۔"

مجھے ہنسی آتی ہے ان لوگوں پر جنہوں نے کبھی اسکرین آرٹ کی تعریف نہیں پڑھی وہ مجھے اسکرین کی کیمسٹری سمجھاتے ہیں۔ جو لوگ اسکرین پلے کی الف بے سے واقف نہیں ہیں وہ مجھے بتاتے ہیں کہ مجھے سین میں اسکرین پلے کتنا لکھنا ہے۔ کچھ تو کہتے ہیں کہ کیا ضرورت ہے اسکرین پلے لکھنے کی' بس کام چلاؤ' اپنا وقت بچاؤ' پیسہ کماؤ۔

ایک کونٹینٹ ہیڈ میری کہانی کی تعریف میں رب اللسان ہوتی رہی۔ پھر اس نے ہفتوں مجھے یہ سمجھانے میں لگا دیے کہ دیکھو تم اچھے مصنف تو ہو گے لیکن اچھے اسکرپٹ رائٹر نہیں ہو۔ تم اچھی کہانی لکھ سکتے ہو لیکن اچھا ڈراما نہیں' اس لیے جو میں کہہ رہی ہوں وہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ وہ کونٹینٹ ہیڈ ہے جس کے کریڈیٹ پر ایک بھی ڈراما نہیں۔ جو مجھ جیسے رائٹرز کے ساتھ رابطہ تو بہت شوق سے کرتی ہے اور اسی شوق سے انہیں "اسکرین کیمسٹری" سمجھاتے سمجھاتے برباد کر دیتی ہے۔ یہ سب چینل پالیسی' ٹی آر پی' عوامی رائے' عورتوں کی پسند ناپسند کی آڑ میں اسکرپٹ کا حلیہ برباد کر دیتی ہیں کیونکہ یہ خود کسی قابل نہیں ہوتیں۔ انہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ اسکرپٹ لکھنا کسے کہتے ہیں۔ اپنے اندر وہ قابلیت کے نام پر "کام" رکھتی ہیں اور ہماری قابلیت کو بھی "صرف کام" بنا دینا چاہتی ہیں۔ وہ خود کچھ نہیں سمجھ سکیں تو ہمیں بھی سمجھنے نہیں دینا چاہتیں۔

ایک نے میرا لکھا اسکرپٹ میز پر اچھال کر کہا "اس کی ٹوپوائنٹ ٹو سے زیادہ ریٹنگ آگئی تو میں ریزائن کر دوں گی۔" جس نخوت اور ہتک سے اس نے فقرہ کہا' اس نے مجھے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا کہ مجھے ڈراما نہیں لکھنا چاہیے۔ اتنی جلدی ان لوگوں نے مجھے اپنے حساب کتاب سے ناکارہ ثابت کر دیا۔ جبکہ یہ سب مل کر سسٹم ناکارہ کر رہے ہیں۔

میں سمجھ گیا کہ عصام ایسے لوگوں کے روبرو ہو گیا